Contents

ٹرانس جینڈر ایکٹ کے مقاصد و مفاسد

از قلم: حافظ طلحہ اعجاز علوی

~~~~~~

اسلام دین فطرت ہے اور اسکی تعلیمات فطرت کے عین مطابق ہیں، اس میں خواہش پرستی، نفس پرستی کی بجائے اتباع و تسلیم کا حکم ہے، اور اگر اس دین سے دوری اختیار کریں گے، تو فطرت سے ہٹ جائیں گے، نتیجہ تباہی و بربادی کی صورت میں سامنے آئے گا۔

اسکی واقعاتی مثال موجودہ حالات میں ٹرانس جینڈر ایکٹ کا مسئلہ ہے، کہ جب کوئی مرد چاہے اپنی مرضی سے اپنے آپ کو عورت ڈکلیئر کروالے، اور اسی طرح جب کوئی عورت چاہے اپنی مرضی سے اپنے آپ کو مرد ڈکلیئر کروالے، یعنی مرد و زن میں تفاوت کی خدائی تقسیم کو چیلنج کرنے والی بات ہے، اور اللہ کی تخلیق میں دخل اندازی ہے، جو کہ ایک خطرناک عمل ہے۔

ٹرانس جینڈر ایکٹ کے مقاصد ملاحظہ فرمائیں:

1۔ اسکا سب سے بڑا مقصد یہ ہے کہ ہم جنس پرستی کو کھلی چھوٹ مل جائے، باقاعدہ قانونی طور پر آزادی سے اس فعل شنیع کو سرانجام دیا جائے، جو کہ سراسر مغربی نظریہ ہے اور اسلام میں یہ فعل بد، حرام ہے۔
یوں سمجھیں کہ ٹرانس جینڈر ایکٹ کے نام پر ہمیں دھوکا دیا جا رہا ہے، اس کی آڑ میں ہم جنس پرستی کی راہیں ہموار کی جا رہی ہیں، دین کا تقاضا ہے، کہ اس پر خاموش نہ رہا جائے ورنہ شامت اعمال سب کو بھگتنا
~~~~~~

ہو گی، چاہے گناہ کاار تکاب کیا ہو یا نہ کیا ہو،اس فعل شنیع کا قانونی تحفظ رب کے عذاب کو دعوت دینے کی طرح ہے۔

2۔اسلامی تعلیمات کو چھوڑ کر مغربی تہذیب کو اپنایا جارہا ہے، جو کہ سراسر بے بنیاد، بیت العنکبوت کی طرح ہے، وہ مغربی تہذیب جس نے خاندانی نظام کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیا ہے، جہاں بچے چائیلڈ ہوم اور بوڑھے اولڈ ہوم میں پلتے ہیں۔

انکی تہذیب کے بارے میں علامہ اقبال رحمہ اللہ نے فرمایا تھا:

تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خود کشی کرے گی

جو شاخ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہو گا۔

3۔ نسلوں کی تباہی و بربادی کا سامان کیا جارہا ہے، آنے والی نسلوں کا بیڑہ غرق کرنے کا پلان ہے، لوگوں کو مغربی تہذیب کا عادی بنانے کی سازش ہے، مغربی تہذیب کا میٹھا زہر لوگوں کو پلایا جارہا ہے، جو بظاہر تو میٹھا ہے، لیکن ہے تو زہر، آخر کار ہلاک کر کے چھوڑے گا۔

4۔ مغرب اپنے اس جرم پر پردہ ڈالنے کے لیے ان ممالک کو بھی اس جرم میں مبتلا کرنا چاہتا ہے، جن کا معاشرتی نظام اب تک مضبوط ہے، کیونکہ جب سب لوگ جرم میں شریک ہو جائیں، تو انگلی اٹھانے والا کوئی نہیں رہتا، یہی چاہتا ہے مغرب، کہ میں تو اب اپنا خاندانی نظام تباہ کر چکا ہوں، مجھ پر کوئی انگلی نہ اٹھائے، اس کا حل اس نے یہ نکالا، کہ سب کا خاندانی نظام تباہ کر دیا جائے۔

اسکے مفاسد بھی ملاحظہ فرمائیں:

اسلام میں مرد و عورت کے درمیان پردے اور اختلاط کے علاوہ شادی، بیاہ اور وراثت وغیرہ کے قوانین ہیں۔

سوچیے ایک مرد کل کو عورت بننا پسند کرتا ہے تو وہ قانونی طور اپنے کو عورت ڈکلیئر کروا کے کسی مرد سے شادی کر سکتا ہے؟ اگر کر سکتا ہے، تو کیا یہ ہم جنس پرستی کو قانونی تحفظ نہیں؟

اور کیا پھر اسکو وراثت میں حصہ عورت کی طرح ملے گا حالانکہ کہ در حقیقت یہ ایک مرد ہے؟

کیا اسکے بھی حیض و نفاس کے مسائل ہوں گے ؟

کیا یہ بھی شادی کے بعد بچہ کو جنم دے سکتی ہے ؟ حالانکہ درحقیقت یہ ایک مرد ہے۔
کیا اس جعلی عورت سے جو کہ درحقیقت مرد ہے، عورتیں پردہ کرنا چھوڑ دیں گی ؟ اگر چھوڑ دیں گی تو کیوں ؟ حالانکہ اللہ نے تو اسے مرد بنایا ہے، اور غیر محرم مرد سے عورت کا پردہ لازم ہے۔
اور کیا اسکے لیے عورتوں کے ساتھ اختلاط درست ہو گا ؟ حالانکہ یہ ایک مرد ہے۔
یعنی کے تبدیلی جنس کے نام پر وہ دینی احکام جو مرد و عورت کے فرق کو ملحوظ رکھتے ہوئے نازل ہوئے ہیں، انکے ساتھ کھلواڑ کیا جارہا ہے، جو کہ واضح اللہ کے احکامات کی مخالفت ہے۔
اور کیا وہ بس، ٹرین وغیرہ میں سفر کرتے ہوئے، عورتوں کے لیے مخصوص کی ہوئی جگہ پر بیٹھے گا ؟ اگر ہاں تو کیوں ؟ حالانکہ وہ ایک مرد ہے، اسے قطعاً اسکی اجازت نہ ہو گی، کہ مسلمان عورتوں کے ساتھ اختلاط کرتا پھرے، محض اسکے کہہ دینے سے وہ عورت نہیں بن جائے گا، عورت ہے یا مرد اسکا فیصلہ تو ماں کے پیٹ میں ہی ہو جاتا ہے، اور یہ فیصلہ کرنے والی بھی اللہ کی ذات ہے، وہ ذات ماں کے پیٹ میں جنین کو مرد بنائے یا عورت، یہ اسکی مرضی ہے، سارے اختیارات اسی کے پاس ہیں۔
اصل خرابی یہ ہے کہ، آئے دن اس طرح کا شوشہ چھوڑنے کے لیے لبرل طبقہ آزادی کا بہانا بناتا ہے، کہ انسان آزاد ہے جو اسکے دل میں آئے، کرے، یعنی وہ خود کو مرد سمجھے یا عورت یہ اسکی مرضی ہے، یا جنس تبدیل کروائے یہ اسکی مرضی ہے۔
آزادی کا یہ تصور بہت بھیانک و خطرناک ہے، اور آزادی کا یہ تصور آزادی نہیں، بربادی ہے، یہ تصور مغرب کی طرف سے آیا ہے، اس مغرب کی طرف سے کہ
بقول شاعر:

سورج ہمیں ہر شام یہ درس دیتا ہے
مغرب کی طرف جاؤ گے تو ڈوب جاؤ گے

ہاں۔۔! انسان کو اللہ نے خود مختار بنایا ہے، اسکے پاس محدود اختیارات ہیں، یہ آزاد ہے، لیکن انسان کی خود مختاری شریعت کے دائرے میں رہ کر ہے، اگر یہ شریعت سے ہی آزاد ہونا چاہتا ہے، تو پھر آزاد نہیں ہوتا،

بلکہ شیطان کا غلام بن جاتا ہے، اور پھر اس آزادی کے نام پر اللہ کی تخلیق میں ہی دخل اندازی شروع کر یتا ہے، یعنی یہ آزادی نہیں، در حقیقت تباہی و بربادی ہے۔

اس فعل شنیع کی قباحت سمجھنے کے لیے چند شرعی دلائل بھی ملاحظہ فرمائیں:

1۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مرد کو عورت کی اور عورت کو مرد کی مشابہت اختیار کرنے پر لعنت کی وعید سنائی ہے۔

لَعَنَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُتَشَبِّهِينَ مِنَ الرِّجَالِ بِالنِّسَاءِ ، وَالْمُتَشَبِّهَاتِ مِنَ النِّسَاءِ بِالرِّجَالِ

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مردوں پر لعنت بھیجی جو عورتوں جیسا چال چلن اختیار کریں اور ان عورتوں پر لعنت بھیجی جو مردوں جیسا چال چلن اختیار کریں. 5885 صحیح بخاری(

2۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تو محض مشابہت اختیار کرنے کو حرام قرار دیا ہے، لیکن ٹرانس جینڈر تو اس سے بھی بڑھ کر ایک خطرناک عمل ہے، کیونکہ اس میں تو اللہ کی تخلیق کو بدلا جاتا ہے، اور اللہ کی تخلیق میں خود ساختہ تبدیلیاں شیطان کے پیروکار کرتے ہیں۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَقَالَ لَأَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا۔

وَلَأُضِلَّنَّهُمْ وَلَأُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَآمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ آذَانَ الْأَنْعَامِ وَلَآمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللَّهِ ۚ وَمَن يَتَّخِذِ الشَّيْطَانَ وَلِيًّا مِّن دُونِ اللَّهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِينًا.

ترجمہ: اور شیطان نے کہا کہ میں ہر صورت تیرے بندوں سے ایک مقرر حصہ ضرور لوں گا۔

اور یقیناً میں انھیں ضرور گمراہ کروں گا اور یقیناً میں انھیں ضرور آرزوئیں دلاؤں گا اور یقیناً میں انھیں ضرور حکم دوں گا تو وہ ضرور چوپاؤں کے کان کاٹیں گے، یقیناً میں انھیں ضرور حکم دوں گا تو وہ ضرور اللہ کی پیدا کی ہوئی صورت بدلیں گے اور جو کوئی شیطان کو اللہ کے سوا دوست بنائے تو یقیناً اس نے خسارہ اٹھایا۔

سورۃالنساء119،118(

3۔اللہ تعالیٰ نے انسان (مرد و عورت) کو بہترین صورت میں پیدا کیا ہے، پھر اپنی اس صورت کو بدلنا، اپنی تخلیق کو بدلنا بہت بڑی حماقت، بیوقوفی ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَصَوَّرَكُمْ فَأَحْسَنَ صُوَرَكُمْ.

ترجمہ: اور (اللہ نے) تمہاری صورتیں بنائیں اور بہت اچھی بنائیں۔

سورۃ غافر 64)

ان تفصیلات سے ہمیں معلوم ہو جانا چاہیے کہ یہ ٹرانس جینڈر ایکٹ کس قدر خطرناک کھیل ہے، کہ اللہ کی تخلیق میں خود ساختہ تبدیلیاں کرو، دینی احکام سے کھلواڑ کرو، رب کی تقسیم کو چیلنج کرو، اور اس پر قانونی تحفظ بھی فراہم کیا جائے گا، کوئی روک ٹوک نہ ہو گی۔ العیاذ باللہ

قارئین کرام اس ایکٹ کی سنگینی و خطورت کو سمجھتے ہوئے، ہمیں اپنی نسلوں کی دینی بقاء و سلامتی کے لیے یک زبان ہو کر، اتحاد و اتفاق کے ساتھ اس ایکٹ کی مخالفت کرنی ہو گی، اور شدید ردِ عمل کا اظہار کرنا ہو گا، بصورت دیگر نتائج بہت خطرناک نکلیں گے، اللہ تعالی ہمارا حامی و ناصر ہو، آمین۔

پاکستان میں بننے والے ٹرانس جینڈر ایکٹ پر تفصیلی تحریر

خواجہ سرا یا مخنث ایک قابل رحم اور قابل توجہ جنس ہے، ظاہر ہے کہ ان کی تخلیق میں ان کا اپنا کوئی کردار یا اپنی کوئی خامی نہیں، وہ بھی اللہ کی مخلوق ہیں اور اس لحاظ سے بد قسمت ہیں کہ ان پر گھر والوں کی محبتوں اور توجہ کے دروازے بند ہو جاتے ہیں، بہن بھائیوں میں وہ اچھوت بن جاتے ہیں، باپ اور دیگر رشتہ داران کی وجہ سے شرمندہ سے رہتے ہیں، ایسے بچے کسی حد تک ماں کا پیار تو سمیٹتے ہیں، لیکن وہ تعلیمی اداروں میں جا سکتے ہیں نہ اپنی خاندانی تقریبات میں شامل ہوتے ہیں، گھروں میں ان کو علیحدہ رکھا جاتا ہے، بڑے ہوں تو ان پر صرف ناچ گانے یا بھیک مانگنے کا ہی راستہ کھلا رکھا جاتا ہے، ظاہر ہے کہ اس صورتحال میں ان کے انسانی حقوق کا تحفظ انتہائی ضروری ہے

2018ءمیں مسلم لیگ ن کی حکومت میں پاکستان قومی اسمبلی میں ٹرانس جینڈر ایکٹ پیش ہوا، سپیکر ایاز صادق اور صدر ممنون حسین کی منظوری سے پاس ہوا، ڈرائیونگ لائسنس بنانے اور ہراسانی سے تحفظ کی سہولت ملی اور ان سے بھیک منگوانے والے پر پچاس ہزار روپے جرمانہ کی سزا بھی متعین کی گئی

چونکہ ایسے قوانین کے پیچھے بیرونی عطیات پر چلنے والی این جی اوز ہوتی ہیں اور وہ غیر ملکی ایجنڈے لے کر چل رہی ہوتی ہیں، اس لئے بظاہر خواجہ سراؤں کے حقوق کے تحفظ کے اس ایکٹ کی آڑ میں دو ایسی کلاز رکھی گئیں جس سے اس قانون کے اصل مقاصد پس منظر میں چلے گئے اور خواجہ سراؤں کے بجائے یہ قانون ہم جنس پرستوں کے تحفظ کا قانون بن گیا

ٹرانس جینڈر ایک مغربی اصطلاح ہے اور یہ ایک پوری تہذیب کی نمائندگی کرتی ہے، اس تہذیب کا نام ہے LGBTQ+ یعنی لزبین، گے، بائی سیکسوئیلی اور ٹرانس جینڈر۔ یہ ایک کمیونٹی ہے، ایک منفی کلچر ہے، ایک بد تہذیبی ہے۔ مکمل جنسی آوارگی اور بے راہ روی کے شکار اور دلدادہ اس کلچر کو خواجہ سراؤں سے کوئی ہمدردی نہیں بلکہ وہ انہیں بھی ایک سیکس گروپ کے طور پر لیتے ہیں

چنانچہ 2018ء کے ایکٹ کی ایک شق میں جنس کے تعین یا جنس کی تبدیلی کا اختیار خود فرد کو دے دیا گیا ہے، اس میں خواجہ سرا کی قید بھی نہیں، یعنی کوئی بھی مرد نادرا کو درخواست دے کر اپنی جنس عورت کروا سکتا ہے اور کوئی سی عورت مرد بن کر اپنا نادرا کارڈ بنوا سکتی ہے، ہم جنس پرستی اور ایک ہی جنس کے افراد کی باہمی شادی کا قانونی راستہ کھول دیا گیا ہے، اب قانون کوئی گرفت نہیں کر سکتا، کوئی بھی مرد عورت کا قومی شناختی کارڈ بنوا کر عورتوں کی سیٹ پر ملازمت حاصل کر سکتا ہے، خواتین کے تعلیمی اداروں میں ٹیچر لگ سکتا ہے، لیڈیز واش روم استعمال کر سکتا ہے، خواتین کی مجالس میں جا سکتا ہے، اور کوئی بھی عورت مرد بن کر وراثت میں اپنا حصہ بھائیوں یا بیٹوں کے برابر لے سکتی ہے

اب یہ پارلیمنٹ کی دیگر مذہبی جماعتوں کے ممبران، مذہبی تنظیموں، سماجی و تعلیمی اداروں کے سربراہوں، وارثانِ منبر و محراب کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس ایکٹ میں ترمیم کو منظور کرنے اور نادرا کے

ڈیٹا میں خواجہ سرا کی جنس لکھنے سے پہلے طبّی معائنے کو لازمی کرنے کیلئے حکومت، ممبرانِ پارلیمینٹ اور سیاسی جماعتوں پر زور دیں کہ اس تہذیبی شب خون کا راستہ روکیں۔ حکومت اور پارلیمنٹ پہلے مرحلے میں اسے اسلامی نظریاتی کونسل کے پاس بھیجنے کا فیصلہ کرے کہ وہ بہرحال ایک آئینی ادارہ ہے

اور یہ محض خدشات نہیں ہیں بلکہ 2018ء کے بعد سے تین سال میں نادرا کو جنس تبدیلی کی تقریباً 29 ہزار درخواستیں موصول ہوئیں، ان میں سے 16530 مردوں نے اپنی جنس عورت میں تبدیل کروائی جبکہ 15154 عورتوں نے اپنی جنس مرد میں تبدیل کروائی، خواجہ سراؤں کی کل 30 درخواستیں موصول ہوئیں جن میں سے 21 نے مرد کے طور پر اور 9 نے عورت کے طور پر اندراج کی درخواست کی

سینیٹر مشتاق احمد خان کے پیش کئے گئے ترمیمی بل میں مطالبہ ہے کہ خواجہ سراؤں کی جنس کے تعین کو میڈیکل ٹیسٹ کے ساتھ مشروط کیا جائے۔ یعنی مرد سرجن، لیڈی سرجن اور ماہرِ نفسیات پر مشتمل بورڈ یہ فیصلہ کرے کہ یہ مخنث ہے اور اس کا اندراج کس طرف ہونا چاہیے۔ خنثیٰ مرد، خنثیٰ عورت اور خنثیٰ مشکل فقہی اصطلاحات ہیں اور اس کے باقاعدہ شرعی اصول وضوابط ہیں

خود برطانیہ میں 2004ء کے جنسی تعین کے ایکٹ میں طبّی معائنے اور طبّی سرٹیفکیٹ کو لازم قرار دیا گیا تھا، جبکہ پاکستان ٹرانس جینڈر ایکٹ 2018ء کے لحاظ سے کسی میڈیکل بورڈ کی رائے کے بغیر اپنی صوابدید پر مرد سے عورت یا عورت سے مرد بننے اور تبدیلی جنس کا آپریشن کروانے کی کھلی چھٹی ہے اور اس کے نقصانات واضح ہیں

(یہ تحریر لائرز آف پاکستان کی مدد اور نادرا کی تصدیق کے ساتھ لکھی گئی ہے)

~ شہیر احمد

ٹرانس جینڈر اشخاص (حقوق کا تحفظ) قانون، 2018ء: مسئلہ کیا ہے؟

کیا واقعی یہ قانون اسلامی احکام سے متصادم ہے؟ کیا واقعی اس قانون سے ہمارے خاندانی نظام کی بنیادیں اکھاڑی جارہی ہیں؟ کیا واقعی اس قانون کے ذریعے بے حیائی کے لیے راستے کھولے گئے ہیں؟

یہ اور اس طرح کے کئی سوالات لوگ پوچھ رہے ہیں۔ اس لیے چند گزارشات پیش کی جارہی ہیں، لیکن پہلے دو اصولی نکات۔

دو اصولی نکات

پہلی اصولی بات یہ ہے کہ پاکستان ایک اسلامی ملک ہے (آئین کی دفعہ 1)؛ اس کا ریاستی مذہب اسلام ہے (آئین کی دفعہ 2)؛ یہاں حاکمیت اعلی اللہ تعالیٰ کی ہے اور پارلیمان سمیت تمام ریاستی و حکومتی اداروں کے پاس اختیارات کی حیثت مقدس امانت کی ہے جسے وہ اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود کے اندر رہ کر استعمال کرنے کے پابند ہیں (آئین کی دفعہ 2اے)؛ یہاں لوگوں کو آزادی اور دیگر حقوق میسر ہوں گے، لیکن "جیسا کہ اسلام نے دیے ہیں" (آئین کی دفعہ 2اے)؛ یہاں کوئی قانون اسلامی احکام سے متصادم نہیں بنایا جاسکتا اور جتنے رائج الوقت قوانین ہیں، ان کو اسلامی احکام سے ہم آہنگ کرنا لازم ہے (آئین کی دفعہ 227)؛ یہاں قوانین میں اصلاحات کے لیے جو لا اینڈ جسٹس کمیشن بنایا گیا ہے، اس پر بھی لازم ہے کہ نئی قانون سازی کے لیے تجاویز دیتے ہوئے سماجی انصاف کے متعلق اسلامی اصولوں کی پابندی کرے (لا اینڈ جسٹس کمیشن کا قانون، دفعہ 6(1))؛ اور یہاں عدالتوں پر لازم ہے کہ کسی بھی قانون کی تعبیر و تشریح

کرتے ہوئے، یعنی اس کا مفہوم متعین کرتے ہوئے، یہ یقینی بنائیں کہ قانون کا مفہوم اسلامی احکام سے متصادم نہ ہو (قانونِ نفاذِ شریعت، 1991، دفعہ 4)۔

اس لیے یہ کہنا کہ کسی قانون کے متعلق یہ بحث اٹھانا کہ یہ اسلامی احکام سے متصادم ہے یا نہیں، "کٹھ ملاؤں" کا کام ہے، نری جہالت ہے، خواہ ایسی بات کہنے جاہلوں نے دنیا کی اچھی یونیورسٹیوں سے بڑی بڑی ڈگریاں لی ہوں۔ جب تک اس ملک کے آئین اور قانون کی اسلامی شناخت ختم نہیں کر دی جاتی، اس سوال سے جان نہیں چھڑائی جاسکتی۔ واضح رہے کہ سپریم کورٹ کئی فیصلوں میں قرار دے چکی ہے کہ آئین کی اسلامی حیثیت کو ختم کرنے کے لیے صرف چند دفعات میں ترمیم کافی نہیں ہے بلکہ اس کے لیے نیا آئین بنانا ہوگا اور نیا آئین بانے کے لیے موجودہ پارلیمان کے پاس اختیار نہیں ہے، بلکہ نئی آئین سازی کے لیے عوام سے باقاعدہ اختیار لے کر آنا پڑے گا۔ (مثال کے طور پر دیکھیے، الجہاد ٹرسٹ کیس 1996 اور فوجی عدالتوں کے متعلق کیس 2015۔) یہ بھی دیکھ لیجیے کہ جنرل مشرف کی روشن خیال اعتدال پسندی کے دور میں کی جانے والی 17 ویں ترمیم کے ذریعے آئین میں بہت ساری ترامیم کی گئیں لیکن اسلامی دفعات کو ہاتھ نہیں لگایا جاسکا۔ اسی طرح جب 18 ویں ترمیم کے موقع پر پورے آئین پر نظرِ ثانی کرکے اس کی "اوورہالنگ" کی کوشش کی گئی، اس وقت بھی کسی کو اسلامی دفعات کو چھیڑنے کی جرات نہیں ہوسکی۔ اس لیے مٹھی بھر سیکولر عناصر اور اقوامِ متحدہ اور دیگر اداروں و اقوام سے فنڈز لینے والی این جی اوز کو یہ بات گرہ سے، یا پلو سے، باندھ لینی چاہیے کہ انھیں اس ملک میں رہنا اور یہاں کام کرنا ہے، تو اسلامی اصولوں کے ساتھ، اور ان کے سائے میں، رہنا سیکھ لیں، خواہ آپ کو اچھا لگے یا برا۔

ٹرانس جینڈر اشخاص (حقوق کا تحفظ) قانون، 2018ء: مسئلہ کیا ہے؟ (2)

دوسری اصولی بات یہ ہے کہ کسی قانون کے اسلامی احکام سے متصادم ہونے یا نہ ہونے کے مسئلے پر لوگوں کی آرا مختلف ہوسکتی ہیں لیکن ریاستی سطح پر ہم نے اس مقصد کے لیے دو ادارے بنائے ہیں: ایک اسلامی نظریاتی کونسل اور ایک وفاقی شرعی عدالت۔ کونسل قانون سازی کے مرحلے پر، قانون بننے سے قبل

بھی،اپنی راے دے سکتی ہے، جبکہ شرعی عدالت کا کام قانون بن چکنے کے بعد شروع ہوتا ہے۔ گویا قانون بننے کے مرحلے میں اگر یہ سوال اٹھے کہ اس قانون کی کوئی شق اسلامی احکام سے متصادم ہے یا نہیں، تو کونسل اس سوال کا جواب دینے کے لیے موجود ہوتی ہے، جبکہ قانون بن چکنے کے بعد اس کے خلافِ اسلام ہونے یا نہ ہونے پر فیصلہ دینے کے لیے شرعی عدالت کے پاس اختیار ہے۔

کونسل اس سوال کے جواب میں جب اپنی راے دیتی ہے، تو اس کی حیثیت تجویز اور سفارش کی ہوتی ہے، جبکہ شرعی عدالت کے فیصلے کو الزامی (binding) حیثیت حاصل ہوتی ہے۔ کونسل کی سفارش پر غور کرنا پارلیمان پر لازم ہے، خواہ غور کے بعد وہ اسے قبول کرے یا نہ کرے، لیکن شرعی عدالت نے اگر قانون کو یا اس کی کسی شق کو اسلامی احکام سے متصادم قرار دیا تو اسے ماننا پارلیمان پر بھی اور سپریم کورٹ سمیت تمام عدالتوں پر ماننا لازم ہو جاتا ہے، الا یہ کہ سپریم کورٹ کی شریعت ایپلیٹ بنچ اس فیصلے کو تبدیل کر دے۔

اب مسئلہ یہ ہے کہ کونسل کی سفارشات ماننا لازم نہ سہی، ان پر غور تو لازم ہے، لیکن اس کے باوجود اس موضوع پر کونسل کی سفارشات کو پارلیمان نے سرے سے درخورِ اعتنا سمجھا ہی نہیں۔ سینیٹ کی سٹینڈنگ کمیٹی نے جس طرح کونسل کی سفارشات کے ساتھ کھیل کھیلا، وہ ایک الگ داستان ہے۔ باقی رہی بات شرعی عدالت کی، تو وہاں اس قانون کے خلاف درخواست زیرِ التوا ہے اور پتہ نہیں کب تک زیرِ التوا رہے گی۔ پھر جب شرعی عدالت فیصلہ دے بھی دے، تو اس کے بعد اپیل کا مرحلہ آئے گا اور اپیل کا فیصلہ ہونے تک شرعی عدالت کا فیصلہ معطل رہے گا۔ اس لیے جب سینیٹ کی سٹینڈنگ کمیٹی براے حقوق انسانی نے اپنی آخری میٹنگ میں سینیٹر مشتاق احمد خان کو یہ مشورہ دیا کہ اگر وہ اسے اسلامی احکام سے متصادم سمجھتے ہیں، تو اس کے خلاف شرعی عدالت میں جائیں، تو انھوں نے کہا کہ وہاں تو تیس سال لگ جائیں گے، اور اگر آپ تیس سال تک اس قانون کو منجمد کر سکتے ہیں، تو پھر میں پارلیمان میں ترمیمی بل پیش کرنے کے بجاے شرعی عدالت کے فیصلے کا انتظار کر لوں گا ! اس پر ظاہر ہے کہ انھیں ہاتھ کھڑے کرنے پڑے کیونکہ وہ کبھی اس قانون کو معطل کرنا پسند نہیں کریں گے۔

واضح رہے کہ اس قانون کے وضع کیے جانے سے قبل اسلامی نظریاتی کونسل نے اس کے مسودے کا تفصیلی جائزہ لے کر صریح الفاظ میں اسے اسلامی احکام سے متصادم قرار دیا تھا۔ کونسل کی بات تو آپ نے مانی نہیں۔ شرعی عدالت میں جانے کا کہہ رہے ہیں اور وہاں اس کا فیصلہ ہونے میں کئی عشرے لگ جائیں گے۔ تو پارلیمان میں ہی کیوں نہ ترمیمی بل پیش کیا جائے تاکہ جہاں سے غلطی کا آغاز ہوا ہے، وہیں سے اس کی اصلاح کی جائے؟

اس قانون کے محافظین نے ایک بہانہ یہ بھی پیش کیا کہ چونکہ اس قانون کے خلاف درخواست شرعی عدالت میں دائر کی جاچکی ہے، اس لیے یہ معاملہ اب "subjudice" ہے، یعنی عدالت کے سامنے زیرِ غور ہے، اور اس لیے اس کو کسی اور فورم پر اٹھایا نہیں جاسکتا۔ یہ نہ صرف یہ کہ ایک لولا لنگڑا عذر ہے بلکہ گمراہ کن بات بھی ہے۔ کوئی ایسا قانون یا اصول نہیں ہے جو پارلیمان کو اس قانون میں ترمیم سے روک سکے۔ بھئی، شرعی عدالت میں درخواست گزار نے یہی اعتراض کیا ہے نا کہ یہ قانون اسلامی احکام سے متصادم ہے۔ تو اگر پارلیمان ہی اس اعتراض پر بحث کرنے کے بعد مناسب اور ضروری سمجھے تو قانون میں ترمیم کرلے، تو اس پر کسی کو کیا اعتراض ہو سکتا ہے؟ پھر تو درخواست گزار کا اعتراض ہی ختم ہو جائے گا اور عدالت میں دائر کیا گیا مقدمہ خارج کر دیا جائے گا۔

اس کی کئی مثالیں موجود ہیں۔ توہینِ رسالت کے قانون ہی کی مثال لے لیجیے۔

سپریم کورٹ کے سینیئر وکیل اسماعیل قریشی نے جنرل محمد ضیاء الحق کو فریق بنا کر وفاقی شرعی عدالت میں درخواست دائر کی کہ جنرل صاحب نے اپنے صدارتی احکام کے ذریعے مجموعۂ تعزیراتِ پاکستان میں توہینِ صحابہ، توہینِ امہات المؤمنین اور توہینِ اہل بیت پر سزائیں مقرر کی ہیں لیکن توہینِ رسالت پر سزا نہیں ہے۔ اس مقدمے کا عنوان ہے اسماعیل قریشی بنام جنرل محمد ضیاء الحق۔ شرعی عدالت نے اس درخواست کی سماعت کی اور فیصلہ محفوظ کر لیا لیکن یہ فیصلہ سنانے کی نوبت کبھی نہیں آئی کیونکہ اس دوران میں پارلیمان نے مجموعۂ تعزیراتِ پاکستان میں دفعہ 295-سی کا اضافہ کر کے توہینِ رسالت پر موت یا عمر قید مع جرمانے کی سزائیں مقرر کر دیں۔

اس لیے یہ کوئی عذر نہیں ہے کہ چونکہ اس قانون کے خلاف درخواست عدالت میں زیرِ غور ہے، تو پارلیمان اس قانون میں ترمیم کے لیے بل پر غور نہ کرے۔

ٹرانس جینڈر اشخاص (حقوق کا تحفظ) قانون، 2018ء: مسئلہ کیا ہے؟ (3)

قانون کے متن کا جائزہ

ان دو اصولی نکات کے بعد اب اس قانون کے متن کا جائزہ لیتے ہیں۔
اس قانون کی دفعہ 2 تعریفات پر مشتمل ہے جہاں اس قانون میں استعمال کیے گئے الفاظ و تراکیب کی تعریفات پیش کی گئی ہیں۔
دفعہ 2، ذیلی دفعہ 1، شق ای میں "اظہارِ صنف" کی تعریف یہ پیش کی گئی ہے :
"اظہارِ صنف سے مراد کسی شخص کا اپنی صنفی شناخت کا پیش کرنا ہے اور جو دوسرے محسوس کریں۔"
پھر دفعہ 2، ذیلی دفعہ 1، شق ایف میں "صنفی شناخت" کی تعریف یوں دی گئی ہے :
"صنفی شناخت سے مراد ہے کسی شخص کا اپنے بارے میں سب سے اندرونی اور انفرادی احساس کہ وہ مرد ہے، عورت ہے، دونوں کا مجموعہ ہے، یا دونوں نہیں، جو اس جنس کے ساتھ ہم اہنگ ہو یا نہ ہو جو پیدائش کے وقت اسے دی گئی۔"
خوب اچھی طرح نوٹ کرلیں کہ یہاں "جنس (sex) "اور "صنف (gender) "میں فرق کیا گیا ہے اور اہمیت صنف کو دی گئی ہے اور صنف کا فیصلہ کسی شخص کے "سب سے اندرونی اور انفرادی احساس (innermost and individual sense) "پر مبنی قرار دیا گیا ہے۔ ان تعریفات کی زد اصل میں کہاں پڑتی ہے، اس کا اندازہ لگانے کے لیے دیکھیے "ماورائے صنف شخص" یعنی ٹرانس جینڈر پرسن کی تعریف جو دفعہ 2، ذیلی دفعہ 1، شق این میں دی گئی ہے۔
ماورائے صنف شخص کی تعریف میں تین قسمیں ذکر کی گئی ہیں:

ایک خسرا، جسے intersex کہا گیا ہے، اور اس کی توضیح یوں کی گئی ہے کہ یہ وہ شخص ہے جس میں مرد اور عورت دونوں کی جنسی علامات پائی جائیں، یا جس کی جنس کے متعلق ابہامات پائے جائیں؛

دوسری، خواجہ سرا (eunuch) جس کی تعریف یہ پیش کی گئی ہے کہ اس شخص کو پیدائش کے وقت مرد کی جنس دی گئی ہوتی ہے لیکن اس کے بعد اس کا جنسی عضو کاٹ لیا گیا ہو یا اسے نامرد بنا دیا گیا ہو؛

تیسری قسم (اور یہیں سارے فساد کی جڑ پائی جاتی ہے) کو ہی اصل ماورائے صنف قرار دے کر اس کی تعریف یوں پیش کی گئی ہے:

ماورائے صنف مرد، عورت، خواجہ سرا، یا کوئی بھی شخص (جی ہاں، اچھی طرح نوٹ کرلیں، کوئی بھی شخص) جس کی صنفی شناخت یا جس کا اظہارِ صنف (ان دونوں تراکیب کی تعریف اوپر دی گئی ہے، وہ دوبارہ ملاحظہ فرمالیں) ان سماجی اقدار اور ثقافتی توقعات سے مختلف ہو جو اس جنس پر مبنی ہوں جو اسے پیدائش کے وقت دی گئی تھی۔

انٹر سیکس اور یونخ کی طرف تو بعد میں جائیں گے، اور وہ اس قانون کے اصل موضوع ہیں بھی نہیں۔ سرِ دست توجہ کیجیے "ماورائے صنف مرد، عورت، خواجہ سرا، یا کسی بھی شخص" پر اور اس تعریف کو بار بار پڑھیے تاکہ کوئی ابہام باقی نہ رہے۔

سب سے پہلے تو اس تعریف میں "یا کسی بھی شخص (or any person)" کے الفاظ پر غور کریں۔ ان الفاظ سے قبل تین خاص صورتیں ذکر کی گئی ہیں: ماورائے صنف مرد، ماورائے صنف عورت، خواجہ سرا۔ اب ان تین خاص صورتوں کے بعد بالکل عمومی صورت ذکر کی گئی: یا کوئی بھی شخص۔ اصول فقہ کی اصطلاح استعمال کریں، تو یہ ذکر العام بعد الخاص ہے۔ گویا اصل ہدف اس عموم کا بیان تھا اور پہلے چند خاص صورتیں صرف بطورِ مثال ذکر کی گئی ہیں۔

چنانچہ ایک نتیجہ تو اس سے یہ نکلا کہ "ماورائے صنف شخص" کی کیٹگری صرف چند مخصوص افراد کے لیے نہیں ہے، بلکہ یہ "سہولت" اس قانون نے "کسی بھی شخص" کے لیے پیدا کی ہے کہ وہ کسی بھی وقت اپنی صنف (gender) سے ماورا (trans) ہو کر کسی اور صنف میں جا سکتا/سکتی/سکتا۔ سکتی ہے۔ ٹرانس کا مفہوم سمجھ میں نہ آرہا ہو، تو "ماورائے قوم وجود (transnational entity) "

کی ترکیب پر غور کریں جو بعض لوگ مسلمانوں کے تصورِ "امت" کے لیے استعمال کرتے ہیں کیونکہ امت کی شناخت قوم کی شناخت سے ماورااور بالا ہوتی ہے۔اسی طرح ٹرانس نیشنل ٹیررزم پر غور کریں جو دہشت گردی کی اس صورت کو کہتے ہیں جو کسی خاص قوم، یعنی ملکی حدود میں مستقل مقید افراد کے مجموعے، تک محدود نہیں رہتی، بلکہ قومی شناخت کو توڑ کر ایک نئی شناخت قائم کرتی ہے۔

یہی کچھ ماورائے صنف شخص کرتا ہے !

الفاظ پر اچھی طرح غور کریں۔

پیدائش کے وقت اسے جو جنس" (sex) دی گئی (معاشرے نے کہا کہ یہ مرد ہے، وہ عورت ہے)، اس جنس کے ساتھ، جو ایک حیاتیاتی (biological) تصور ہے اور جس کا تعلق جسمانی ساخت سے ہے، سماج نے کچھ اقدار باندھی ہوئی ہیں (یہ مردوں کے کام ہیں، وہ عورتوں کے کام ہیں)، اور ثقافت نے اسی بنیاد پر کچھ توقعات قائم کی ہیں (مردانگی دکھاؤ، عورتیں ایسا نہیں کرتیں)، لیکن یہ شخص اس سماجی بندھن و ثقافتی بیڑیوں سے آزاد ہو کر اپنے لیے وہ صنف (gender) چنتا/چنتی/چنتا۔چنتی ہے جو اس کے اپنے "سب سے اندرونی سطح اور انفرادی احساس" پر مبنی ہو۔

آسان الفاظ میں کوئی شخص جسمانی طور پر مرد ہے لیکن وہ مردوں وہ کام نہیں کرتا، جو سماجی اقدار کے مطابق مردوں کے کرنے کے ہیں یا جن کی توقع ثقافتی طور پر مردوں سے کی جاتی ہے، تو وہ یہ حق رکھتا ہے کہ وہ اپنی صنف تبدیل کر کے خود کو عورت کہلوائے۔اسی طرح کوئی عورت بھی اپنا عورت پن ترک کر کے خود کو مرد کہلوا سکتی ہے۔

یہ بھی نوٹ کیجیے کہ بات یہیں تک محدود نہیں ہے کہ کوئی مرد خود کو عورت کہلوائے، یا عورت خود کو مرد کہلوائے، بلکہ اس سے آگے بڑھ کر کوئی مرد خود کو مرد و عورت کا مجموعہ، یا ان دونوں سے الگ نوعیت میں بھی شمار کر سکتا ہے؛ عورت بھی یہی کر سکتی ہے؛ خواجہ سرا بھی یہی کر سکتا ہے؛ اور "کوئی بھی شخص" یہ کر سکتا/کر سکتی/کر سکتا۔کر سکتی ہے۔

مکرر عرض ہے: کوئی بھی شخص !

ٹرانس جینڈر اشخاص (حقوق کا تحفظ) قانون، 2018ء: مسئلہ کیا ہے؟ (4)

ماورائے صنف شخص کے بنیادی ترین حقوق

"ماورائے صنف شخص" کی تعریف سمجھنے کے بعد، اور یہ جاننے کے بعد کہ "کوئی بھی شخص" جب چاہے ماورائے صنف شخص کی تعریف میں شامل ہو سکتا ہے، آیئے اس قانون کی دفعہ 3 کی طرف جو ماورائے صنف اشخاص کے لیے بنیادی ترین اصول دیتی ہے۔

دفعہ 3، ذیلی دفعہ 1 نے قرار دیا ہے کہ ماورائے صنف شخص کا یہ حق ہے کہ اس کے لیے اس کے "ذاتی احساس پر مبنی صنفی شناخت (self-perceived gender identity) "تسلیم کی جائے۔

دفعہ 3، ذیلی دفعہ 2 کا کہنا ہے کہ نادرا سمیت تمام حکومتی محکموں پر لازم ہو گا کہ ماورائے صنف شخص کو اس کے ذاتی احساس پر مبنی صنفی شناخت کے ساتھ رجسٹر کرے۔

دفعہ 3، ذیلی دفعہ 3 کی رو سے ماورائے صنف شخص کو یہ حق حاصل ہے کہ 18 سال کی عمر تک پہنچنے کے بعد وہ اپنے ذاتی احساس پر مبنی صنفی شناخت کے ساتھ قومی شناختی کارڈ، پاسپورٹ اور دیگر دستاویزات حاصل کرے۔

دفعہ 3، ذیلی دفعہ 4 آگے بڑھ کر یہ قرار دیتی ہے کہ اگر کسی ماورائے صنف شخص کو پہلے ہی قومی شناختی کارڈ جاری کیا گیا ہو، تو اس کا حق ہے کہ وہ ذاتی احساس پر مبنی صنفی شناخت کے ساتھ نیا قومی شناختی کارڈ حاصل کرے۔

ان چار باتوں پر اچھی طرح غور کیجیے اور دیکھیے کہ ان دفعات کا مفہوم اور نتائج کیا ہیں؟

چونکہ "کوئی بھی شخص" کسی بھی وقت "ذاتی احساس پر مبنی صنفی شناخت" کے ساتھ تسلیم کیے جانے کا حق رکھتا ہے، اس لیے اگر کوئی شخص جو جنسی طور پر مرد ہو اور وہ نادرا کے دفتر جا کر صرف اتنا قرار دے کہ اس کے ذاتی احساس کی بنا پر اس کی صنفی شناخت کو عورت قرار دیا جائے، تو نادرا کے پاس نہ کہنے کی

گنجائش نہیں ہے، نہ ہی نادرا کے پاس یہ اختیار ہے کہ وہ اس کا طبّی یا نفسیاتی معائنہ کرانے کا کہے۔ اب جب ایک مرتبہ اسے سرکاری کاغذات اور دستاویزات میں عورت قرار دیا گیا، تو اسے عورتوں کے سارے حقوق بھی میسر آگئے۔ کسی گرلز کالج میں داخلے سے لے کر قومی و صوبائی اسمبلی اور سینیٹ کی رکنیت تک، کسی بس میں عورتوں کے لیے مخصوص سیٹوں سے لے کر کسی ریستوران میں عورتوں کے لیے مخصوص واش رومز تک؛ بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کر چونکہ یہ عورت ہے، تو اسے کسی مرد سے شادی کی بھی قانوناً اجازت مل گئی، اور یاد رکھیے کہ یہ سب کچھ اسے "جنس" تبدیل کیے بغیر اور جسمانی ساخت میں تغییر لائے بغیر مل گیا !

یہی کچھ کوئی بھی خاتون کر سکتی ہے۔

اب ان کے ساتھ دفعات 4، 5 اور 6 کو ملایئے جن میں کافی تفصیل سے بتایا گیا ہے کہ ماورائے صنف شخص کے خلاف کسی قسم کا امتیازی سلوک نہیں برتا جائے گا، نہ ہی اسے ہراساں کیا جائے گا، اور اس ضمن میں حکومت کی ذمہ داریوں کی بھی تفصیل دی گئی ہے۔ اگر اس قانون کا اطلاق صرف خنثیٰ اور خواجہ سرا پر ہوتا تو مجھے ان تین دفعات پر شاید کوئی اعتراض نہ ہوتا لیکن چونکہ ان کا اطلاق ماورائے صنف اشخاص پر بھی ہوتا ہے، بلکہ اصلاً یہ قانون بنایا ہی ان لوگوں کے لیے گیا ہے جو اپنی صنف تبدیل کر کے کسی اور صنف میں جانا چاہتے ہیں یا کم از کم اپنی صنف سے نکلنا چاہتے ہیں، اس لیے یہ دفعات بھی بہت خطرناک نتائج کی حامل ہو گئی ہیں۔

پھر ماورائے صنف اشخاص کو یہ اختیار بھی مل گیا ہے کہ وہ اپنے ذاتی احساس پر مبنی صنفی شناخت کے ذریعے وراثت کے احکام بھی تبدیل کر سکتے ہیں۔ مثلاً کوئی جسمانی اور جنسی طور پر عورت اگر وراثت میں زیادہ حصہ لینا چاہتی ہے، تو اس کا آسان حل یہ ہے کہ وہ نادرا کے پاس جا کر اپنے ذاتی احساس پر مبنی صنفی شناخت کو مرد کروا دے۔ پھر اسے کوئی مرد کا حصہ لینے سے روک نہیں سکے گا کیونکہ اس قانون کی دفعہ 7 کی رو سے یہ لازم ہے کہ وراثت کے حصے بھی ذاتی احساس پر مبنی صنفی شناخت کے مطابق دیے جائیں۔ (اس پر مزید بحث آگے آرہی ہے۔)

ان امور کی بنا پر یہ بات بالکل واضح ہوگئی ہے کہ اس قانون کے ذریعے نہ صرف ہم جنس پرست شادیوں اور جنسی بے راہ روی کی دیگر قسموں کو قانونی جواز دیا گیا ہے، بلکہ اس کے ذریعے خاندانی نظام کی جڑیں ہی اکھاڑی جارہی ہیں۔

ٹرانس جینڈر اشخاص (حقوق کا تحفظ) قانون، 2018ء: مسئلہ کیا ہے؟ (5)

چند دنوں کے وقفے کے بعد آج پھر موقع ملا ہے کہ اس ادھوری بحث کو پوری کروں۔ اس سیریز کے 4 حصے چند دن قبل لکھے تھے اور میری وال پر موجود ہیں۔ پانچواں حصہ ذیل میں پیش کیا جارہا ہے۔

ماورائے صنف اشخاص کے لیے حقِ وراثت

اب آیئے وراثت کے مسئلے پر۔

اس قانون کی دفعہ 7 میں ماورائے صنف اشخاص کی وراثت کے لیے اصول دیے گئے ہیں۔

ان میں پہلا اصول یہ ہے کہ ان اشخاص کو وراثت میں ان کا "جائز حق" دینے کے سلسلے میں کوئی امتیاز نہیں برتا جائے گا" جیسا کہ قانونِ وراثت میں مقرر کیا گیا ہے"۔ اب اگر صرف ان الفاظ کو دیکھیں تو ایک عام شخص کہے گا کہ ان میں غلط کیا ہے؟ امتیازی سلوک تو واقعی نہیں ہونا چاہیے، بالخصوص جبکہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کا جائز حق وہ ہے جو قانونِ وراثت میں مقرر کیا گیا ہے۔

لیکن بات اتنی سادہ نہیں ہے۔

پہلے اس امر کی طرف آیئے کہ "قانونِ وراثت" سے کیا مراد ہے؟ پاکستان میں وراثت کی تقسیم اور مختلف ورثا کے حصوں کے متعلق کوئی تفصیلی قانون موجود نہیں ہے۔ صرف مسلم فیملی لاز آرڈی نینس، 1961ء کی ایک دفعہ 4 ہے جس میں ان یتیم پوتے پوتیوں اور نواسے نواسیوں کے لیے حق مقرر کیا گیا ہے جن کے والد یا والدہ کا انتقال ان کے (یعنی والد یا والدہ کے) باپ یا ماں (یعنی ان پوتے پوتیوں یا نواسے نواسیوں کے دادای/دادی یا نانا/نانی) کی زندگی میں ہی ہو گیا ہو۔ (عام طور پر اسے یتیم پوتے پوتیوں اور نواسے نواسیوں کے حقِ وراثت کے عنوان سے ذکر کیا جاتا ہے۔) اس ایک صورت کے علاوہ کوئی صورت ایسی نہیں ہے جس میں ورثا کے حقِ وراثت کے لیے ہمارے ہاں باقاعدہ قانون سازی کی گئی ہو۔

تو پھر پاکستان میں وراثت کس قانون کی رو سے تقسیم ہوتی ہے اور مختلف ورثا کے حصوں کا تعین کیسے کیا جاتا ہے؟

اس سوال کا جواب مسلم پرسنل لا (شریعت) اپلی کیشن ایکٹ، 1962ء، کی دفعہ 2 میں ملتا ہے جہاں مختلف موضوعات کی ایک لمبی فہرست دی گئی ہے اور قرار دیا گیا ہے کہ ان امور میں "فیصلے کا قانون" شریعت ہے لیکن "قانون کے تابع"۔ چنانچہ جہاں قانون میں تصریح کی گئی ہے، جیسے مسلم فیملی لاز آرڈی نینس کی دفعہ 4 میں یتیم پوتے پوتیوں اور نواسے نواسیوں کے لیے حقِ وراثت مقرر کیا گیا ہے، تو وہاں اس قانون کے مطابق حصہ دیا جاتا ہے، لیکن جہاں قانون میں حصے مقرر نہیں کیے گئے، تو وہاں حصوں کے لیے شریعت کی طرف دیکھا جاتا ہے اور اس پر عمل کیا جاتا ہے۔

اس کے ساتھ اس بات کا اضافہ کیجیے کہ آئین کی دفعہ 227 کی توضیح کی رو سے طے پایا ہے کہ اہلِ تشیع کے لیے ان کے فہمِ قرآن وسنت اور اہل سنت کے لیے ان کے فہمِ قرآن وسنت کے مطابق عمل کیا جائے گا، یعنی اہلِ تشیع کے لیے قانونِ وراثت کی حیثیت ان کی فقہ کو اور اہلِ سنت کے لیے قانونِ وراثت کی حیثیت ان کی فقہ کو حاصل ہے۔

یہ بات سمجھ میں آگئی ہے تو اس اصول کی رو سے ماورائے صنف اشخاص کے حقِ وراثت کے تعین کے لیے قانونِ وراثت کا انحصار اس امر پر ہے کہ اس کے مذہبی گروہ کی فقہ اس معاملے میں کیا کہتی ہے۔

تاہم ایک تو، جیسا کہ ہم نے تفصیل سے واضح کیا ہے، اس قانون کی رو سے ماورائے صنف اشخاص سے مراد صرف جسمانی طور پر خنثی یا خواجہ سرا نہیں ہیں، بلکہ وہ لوگ بھی ہیں جو جنس کی بنیاد پر صنف سے انکاری ہو کر اپنی صنف تبدیل کر لیتے ہیں، یعنی جسمانی طور پر مرد ہونے کے باوجود شناختی کاغذات میں خود کو عورت یا مرد و عورت کا مجموعہ یا ان میں کچھ نہیں قرار دیں، یا جسمانی طور پر عورت ہونے کے باوجود خود کو مرد یا مرد و عورت کا مجموعہ یا ان میں کچھ نہیں قرار دیں۔ اس لیے دفعہ 7 کی ذیلی دفعہ 1 میں کہی گئی بات جو پہلی نظر میں بہت سادہ اور معصوم لگتی ہے، اتنی سادہ اور معصوم ہرگز نہیں ہے۔

اب آیئے، دفعہ 7 کی ذیلی دفعہ 2 کی طرف جس میں قرار دیا گیا ہے کہ وراثت کے حصوں کے لیے صنف کا تعین شناختی کارڈ پر مذکور صنف سے ہوگا، اور یہ تو آپ دفعہ 3 میں دیکھ ہی چکے ہیں کہ شناختی کارڈ میں صنف کا اندراج کسی شخص کے "ذاتی احساس پر مبنی اظہارِ صنف" پر ہوتا ہے۔ چنانچہ آسان الفاظ میں اس ذیلی دفعہ کا مفہوم یہ ہوا کہ ماورائے صنف اشخاص کو وراثت میں ان کے مذہبی گروہ کی فقہ کے مطابق ان کی جسمانی ساخت پر مبنی صنف کا حصہ نہیں ملے گا بلکہ انھیں وہی حصہ ملے گا جو اس صنف کو ملنا ہے جسے انھوں نے اپنے ذاتی احساس کی بنیاد پر چنا ہے !

اب اس کے بعد دفعہ 7 کی ذیلی دفعہ 3 پر آیئے، تو اس نے یہ ساری بات جسے یہاں تک گول مول رکھا گیا تھا، صاف صاف بتا دی ہے۔ چنانچہ یہاں درج ذیل اصولوں کی تصریح کی گئی ہے:

اولاً: اگر ماورائے صنف شخص مرد ہو (یعنی کسی اور صنف سے اپنے ذاتی احساس کی بنا پر اٹھ کر اس نے مردوں کی صنف اختیار کر لی ہو)، تو اسے مرد کا حصہ ملے گا؛

ثانیاً: اگر ماورائے صنف شخص عورت ہو (یعنی کسی اور صنف سے اپنے ذاتی احساس کی بنا پر اٹھ کر اس نے عورتوں کی صنف اختیار کر لی ہو)، تو اسے عورت کا حصہ ملے گا؛

ثالثاً: اگر کسی شخص کی صنف کا تعین مشکل ہو، اور یہاں مراد وہ اشخاص ہیں جن کی صنف کا تعین ان کی جسمانی ساخت کی بنا پر کیا جا رہا ہو، تو ان کے لیے درج ذیل چار قواعد دیے گئے ہیں:

ایک یہ کہ اگر 18 سال کی عمر تک پہنچنے کے بعد انھوں نے ذاتی احساس کی بنا پر خود کو مرد قرار دیا ہو، تو انھیں مرد کا حصہ ملے گا؛

دوسرا یہ کہ اگر 18 سال کی عمر تک پہنچنے کے بعد انھوں نے ذاتی احساس کی بنا پر خود کو عورت قرار دیا ہو، تو انھیں عورت کا حصہ ملے گا؛

تیسرا یہ کہ ایک یہ کہ اگر 18 سال کی عمر تک پہنچنے کے بعد انھوں نے ذاتی احساس کی بنا پر خود کو نہ مرد قرار دیا ہو نہ ہی عورت، تو انھیں مرد اور عورت کے حصوں کا اوسط حصہ ملے گا؛ اور

چوتھا یہ کہ 18 سال سے کم عمر کے شخص کے حقِ وراثت کا مسئلہ ہو، تو اس کے لیے صنف کا تعین میڈیکل ڈاکٹر اس کے غالب مردانہ یا زنانہ خصوصیات کی بنا پر کرے گا۔

یہاں تین مزید باتیں نوٹ کرلیں، تو یہ تصویر پوری ہو جائے گی:

ایک یہ کہ اس دفعہ میں صنف کا تعین بنیادی طور پر جسمانی خصوصیات کی بنا پر کیا جارہا ہے، سوائے ان صورتوں کے جن میں اس شخص کا ذاتی احساس پر مبنی اظہارِ صنف اس کی جسمانی خصوصیات سے مختلف ہو۔ بہ الفاظِ دیگر، یہ قانون بنانے والے یہاں خود بھول گئے ہیں کہ ان کا تو سارا فلسفہ ہی ان مفروضوں پر کھڑا تھا کہ جسمانی خصوصیات پر صنف کا تعین نہیں کیا جانا چاہیے اور یہ کہ جنس اور صنف میں فرق ہوتا ہے۔

دوسری یہ کہ نابالغ بچے کے لیے ہی سہی، یہ قانون بنانے والوں نے یہ دو اصول تسلیم کر لیے ہیں کہ صنف کے تعین کے لیے میڈیکل ڈاکٹر کی رائے لینی چاہیے اور یہ کہ ڈاکٹر کی رائے اس بات کی تعین کے لیے ہوگی کہ اس شخص کی غالب خصوصیات مردانہ ہیں یا زنانہ۔ سوال یہ ہے کہ یہی اصول 18 سال کی عمر کے بعد کے اشخاص کے لیے کیوں نہیں مانے گئے؟ اس سوال کے جواب پر غور کریں گے تو لبرلزم کے اصل فساد تک رسائی ہوگی۔

تیسری یہ کہ یہاں یہ قانون بنانے والے صنفوں کو دو (مردانہ و زنانہ) تک محدود نہ رکھنے کی بات بھی بھول گئے ہیں اور تفصیلی ضابطہ، بلکہ ضوابط، دے کر یہ متعین کرنے کی کوشش کی ہے کہ اس شخص کو وراثت میں حصہ مرد کا ملے گا یا عورت کا۔ یہ کیوں؟ یہ اس لیے کہ لاشعوری طور پر ہی سہی، اور وراثت کے شعبے تک محدود ہی سہی، وہ یہ بات مانتے ہیں کہ شریعت میں صنف بس دو ہی ہیں!

ٹرانس جینڈر اشخاص (حقوق کا تحفظ) قانون، 2018ء: مسئلہ کیا ہے؟ (6)

دفعات 8 تا 17: ماورائے صنف اشخاص کے خصوصی حقوق

دفعات 8 تا 15 میں ماورائے صنف اشخاص کے حقوق کی تفصیلات دی گئی ہیں، جبکہ دفعہ 16 میں تصریح کی گئی ہے کہ آئین میں مذکور تمام بنیادی حقوق ان کو میسر ہوں گے۔ ایک تو اس عمومی دفعہ کی موجودگی میں خصوصی دفعات کی ضرورت ہی نہیں تھی، بلکہ آئین میں مذکور بنیادی حقوق چونکہ تمام شہریوں کو دستیاب ہیں (اور ان میں بعض حقوق پاکستان میں موجود تمام "اشخاص" کو حاصل ہیں، خواہ وہ شہری نہ ہوں)، اس لیے خصوصی دفعہ 16 کی بھی ضرورت نہیں تھی۔ تاہم اگر اس کے جواب میں یہ کہا جائے کہ ایسا صرف غلط فہمی دور کرنے اور صراحت سے بات کرنے کے لیے کیا گیا ہے، تو اس کے بعد اس امر پر غور پھر سے ضروری ہو جاتا ہے کہ اس قانون کی رو سے ماورائے صنف اشخاص سے مراد کون ہیں اور ان کے لیے یہ حقوق ماننے کے نتائج کیا ہو سکتے ہیں؟

مثلاً دفعہ 10 میں ماورائے صنف اشخاص کو قومی، صوبائی اور مقامی انتخابات میں ووٹ ڈالنے کے حق کا ذکر ہے، اور اس کے ساتھ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان اشخاص کے لیے پولنگ سٹیشن کا انتخاب ان کی اس صنف کے مطابق ہوگا جو ان کے قومی شناختی کارڈ میں مذکور ہو، اور ہم یہ تو تفصیل سے واضح کر چکے ہیں کہ قومی شناختی کارڈ میں صنف کا اندراج "ذاتی احساس پر مبنی اظہارِ صنف" پر ہوتا ہے۔ چنانچہ جس مرد نے اپنی صنف سے نکل کر اپنے لیے عورت کی صنف چنی ہو، جسے یہاں transwoman یعنی ماورائے صنف عورت کہا گیا ہے، اسے عورت ہی مانا جائے گا اور اسے عورتوں ہی کے پولنگ سٹیشن میں ووٹ ڈالنے کا حق ہوگا۔ اس بات کے نتائج و عواقب کو سمجھنے کے لیے ایک دفعہ پھر ماورائے صنف شخص کی تعریف پر غور کیجیے جس پر ہم اس سلسلے کی ابتدا میں تفصیلی بحث کر چکے ہیں۔

دفعہ 12 میں صحت کے حق سے متعلق تفصیلات دی گئی ہیں اور ان میں ایک اہم بات ذیلی دفعہ سی میں کہی گئی ہے کہ انھیں تمام ضروری طبّی اور نفسیاتی "صنفی تصحیحی (gender corrective) "

سہولتوں تک رسائی یقینی بنائی جائے گی۔ان صنفی تصحیحی سہولتوں میں کیا کچھ آتا ہے،اس کی تفصیل اس قانون (Act) کے تحت بنائے گئے قواعد (Rules) میں دیکھ لیجیے جہاں بتایا گیا ہے کہ "صنفی تصدیقی خدمات (gender affirming services) "میں درج ذیل امور شامل ہیں :

-ہارمون تھراپی؛

-سرجری؛

-چہرے سے بال ختم کرنا؛

-بولنے اور آواز سے متعلق علاج (جیسے عورت کی آواز کو بھاری کرنا ہو، یا مرد کی آواز کو باریک کرنا ہو)؛

- جنسی اعضاء کو پست کرنا، ختم کرنا یا سینے میں ابھار پیدا کرنا۔

واضح رہے کہ جہاں قانون میں کسی تصور کی تعریف میں "شامل ہیں(includes) "کہا جائے، تو وہ تعریف جامع (comprehensive) یا مکمل (exhaustive) نہیں ہوتی اور اس تعریف میں اور بھی بہت کچھ ہو سکتا ہے جو یہاں الفاظ میں ذکر نہ کیا گیا ہو۔ بہ الفاظِ دیگر، یہ تعریف صرف ان امور کی چند مثالیں پیش کر رہی ہے، وہ جیسا کہ عربی میں کہا جاتا ہے کہ علی سبیل المثال، لاالحصر۔

ان سارے امور اور ان سارے حقوق کے بارے میں کہا جا سکتا ہے کہ اگر یہ صرف خنثیٰ یا خواجہ سرا کے ساتھ متعلق ہوتے، تو ان پر بحث کی جا سکتی تھی کہ ان میں کیا کچھ قابلِ قبول ہے اور کیا کچھ مسترد کیا جانا چاہیے، لیکن جب یہ سب کچھ ان افراد کے لیے بھی میسر ہے جو خواہ جسمانی طور پر مرد یا عورت ہوں لیکن محض اپنے ذاتی احساس پر مبنی اظہارِ صنف کی بنا پر اپنی صنف چھوڑ کر کوئی اور صنف اختیار کر چکے ہوں، تو پھر ان میں کچھ بھی قابلِ قبول نہیں رہتا، شرعاً بھی اور آئین کی رو سے بھی۔

دفعہ 17 میں ان لوگوں کے لیے 6 ماہ کی قید یا 50 ہزار روپے جرمانے (یا دونوں) کی سزا مقرر کی گئی ہے جو کسی ماورائے صنف شخص کو بھیک مانگنے پر مجبور یا اس مقصد کے لیے استعمال کرتا ہے۔

آخری دفعات

دفعہ 18 سے 21 تک عمومی نوعیت کی دفعات ہیں جو آج کل پارلیمان تقریباً ہر قانون میں ڈالتی ہے لیکن ان میں خصوصاً دفعہ 19 انتہائی خطرناک نتائج کی حامل ہے۔ اس دفعہ کی رو سے اس قانون کو دیگر تمام رائج الوقت قوانین پر بالاتر حیثیت (overriding effect) دی گئی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ کسی اور قانون کے ساتھ تعارض کی صورت میں اس قانون پر عمل درآمد کیا جائے گا !

اس کے نتائج کے لیے اس مثال پر غور کریں کہ اگر کوئی شخص جسمانی طور پر مرد ہو لیکن وہ ذاتی احساس پر مبنی اظہارِ صنف کی چھتری استعمال کرتے ہوئے ایک بیانِ حلفی پر اپنی صنف تبدیل کرے اور یوں وہ "ماورائے صنف عورت" بن جائے، تو شناختی کارڈ اور دیگر قانونی دستاویزات میں اب اسے عورت لکھا اور پکارا جائے گا۔ اب یہ عورت، یا ماورائے صنف عورت یا مخنث، اگر کسی مرد سے شادی کرنا چاہے، تو قانون کی رو سے اس سے نہیں روکا جاسکے گا کیونکہ قانون تو اسے عورت مانے گا اور عورت کا مرد سے نکاح پاکستان کے قانون کی رو سے ہو سکتا ہے۔ مسلم پرسنل لا شریعت اپلی کیشن ایکٹ، 1962ء، کی دفعہ 2 کے تحت پاکستان میں مسلمانوں کی شادی کے لیے قانون کی حیثیت شریعت کو حاصل ہے، لیکن یہ حیثیت ہے "قانون کے تابع"، اور جیسا کہ پیچھے واضح کیا گیا، جہاں قانون موجود ہو، وہاں قانون پر عمل ہو گا اور قانون نہ ہو، تو پھر شریعت پر عمل ہو گا۔ اب اس کے ساتھ اس موجودہ قانون کی دفعہ 19 ملائیے جس نے اس قانون کو 1962ء کے اس قانون سمیت تمام قوانین پر بالاتر حیثیت دے دی ہے، اور اس قانون میں بتایا گیا ہے کہ صنف کا تعین کسی شخص کے ذاتی احساس پر مبنی اظہارِ صنف کے ذریعے کیا جائے گا۔ چنانچہ اگر یہ شخص خود کو عورت کہتا ہے، تو اسے عورت ہی مانا جائے گا اور اس عورت کا کسی مرد سے نکاح جائز ہو گا۔

کہاں ہیں وہ لوگ جو یا تو بہت سادہ لوح ہیں یا بہت چالاک، جو کہتے ہیں کہ اس قانون کا ہم جنس پرستی سے کوئی تعلق نہیں ہے؟